کہ آزادی وطن کے ابتدائی سالوں میں جبکہ ملک ایک انتہائی پرآشوب ہنگاموں اور بحران سے گزر رہا تھا اور تعلیم کی جانب مناسب توجہ نہیں دی جا سکتی تھی انہوں نے اپنی سوجھ بوجھ اور فراست سے اپنے سات سالہ منصوبہ میں تعلیم کو مناسب مقام دلایا اور بنیادی تعلیم کی اسکیم جو اختلاف کی وجہ بن گئی تھی اس کو قومی نظام تعلیم میں شامل کروایا ثانوی تعلیمی کمیشن کے قیام کے ذریعہ ہر سطح کی ثانوی تعلیم کی مشکلات اور ان کے حل کا تدارک کیا۔ اعلیٰ تعلیم کی بہتری کے سلسلہ میں یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کے قیام کے ذریعہ اس پر مناسب توجہ دی گئی اور یو۔جی۔سی کے قیام کے ذریعہ یونیورسٹی کے تمام مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کی آزادی کا تحفظ کیا گیا۔ تعلیم کو عام لوگوں تک پہونچانے کے لئے انہوں نے کمزور طبقہ کے لئے اسکالر شپ کا انتظام کیا جس کی مالیت بڑھ کر دو کروڑ تک پہنچ گئی تھی آزادی کے ان ابتدائی سالوں میں فنون لطیفہ ادب موسیقی رقص مصوری اور مجسمہ سازی وغیرہ کی ترقی کے لئے ساہتیہ اکیڈمی، سنگیت، ناٹک اکیڈمی اور للت کلا اکیڈمی کے قیام اور بیرونی ممالک سے ثقافتی روابط کو بڑھانے کے لئے تاکہ باہمی رواداری اور محبت میں اضافہ ہو ہندوستانی کاؤنسل برائے ثقافتی روابط (I.C.C.R) کا قیام ان کے دور کا ہی کارنامہ ہے۔

اس دور میں زبان جیسے پیچیدہ مسئلہ میں بھی ان کی وسعت نظر، دور اندیشی، زمانہ شناسی اور متوازن رویئے جو تعصب اور تنگ نظری سے پاک تھا بالکل صحیح رہنمائی کی لوگوں کو افراط و تفریط کے خطروں سے آگاہ کیا قومی و سرکاری زبان ہندی کی ترقی و ترویج کے لئے بتدریج مختلف مراحل کے پروگرام پر زور دیا تاکہ ملک کی دوسری قومی زبانوں پر اس کا کوئی برا اثر نہ پڑے اور انہیں شکوہ و شکایت کا کوئی موقعہ نہ ملے انگریزی تعلیم یافتہ افراد قومیت کے اندھے جوش و جنون میں جس طرح انگریزی کو اکھاڑ پھینکنے اور ملک بدر کرنے پر آمادہ تھے مشرقی روایات اور مذہبی تعلیم پائے ہوئے اس دور اندیش مولانا نے اس کی مخالفت کی اور اسے قومی زندگی میں مناسب اور اہم مقام دینے پر زور دیا۔

ایک اچھا معلم جس طرح بے نیاز ہوتا ہے نام و نمود اور شہرت پسندی سے نفرت ہوتی ہے اور اپنے کام سے واسطہ وہ مولانا کی زندگی میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ بقول خواجہ غلام السیدین وہ جس وقت وزیر تعلیم تھے ان کا ایک خاص حکم تھا کہ ان کے نام سے منسوب کئے جانے والے ادارہ تعلیم

انہیں ورشگا ڈپارٹمنٹ کو صدارت کے ساتھ نامزد کر دیا جائے اس وقت تک جبکہ میں وزیر تعلیم ہوں اس چیز میں میں اپنے لئے منظور نہیں کر سکتا حتی کہ وہ اپنے لئے یونیورسٹی سے اعزازی ڈگری بھی منظور نہیں کیا کرتے تھے" انہی کے الفاظ میں ریاستی وزیر تعلیم کی مختلف کانفرنسوں اور مشاورتی بورڈ کی مختلف میٹنگوں کی جس تدبیر اور وسعت نظری کے ساتھ وہ صدارت کرتے تھے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا جبکہ بہت سی متضاد باتوں معاملات کی جزئیات موافق مخالف دلیلوں کو لے کر ہم لوگ پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن مولانا نہیں۔ ان کی نظر تفصیلات کو چیرتی ہوئی نفس معاملہ تک پہونچ جاتی" جس ہمدردی کے اسلوب بے تعصبی، فراخ دلی، بلند نظری سے مستقل مزاجی زمانہ شناسی تدبر اور دور اندیشی کے ساتھ وہ پیچیدہ سیاسی مسائل کو حل کرتے تھے وہی تعلیمی میدان میں بھی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

خواجہ غلام السیدین کے ہی لفظوں میں "مولانا ہر لحاظ سے ایک معلم تھے انہوں نے جو کچھ اپنی تصنیفات میں لکھا اس کی تعلیم بھی دی ان میں خود وہ ذہانت اور کردار صالح تھا جو وہ ملک کے عوام کو دینا چاہتے تھے ... انہوں نے سقراط کی طرح حق و صداقت کی حمایت کی اس صداقت کی جس کو مصلحتیں باز نہیں رکھ سکتی تھیں اور غلط تنقید یا مخالفت سے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی تھی۔

جولائی، اگست کا شمارہ مشترکہ

بعض ناگزیر حالات کے پیش نظر "برہان" کا زیر نظر شمارہ ماہ جولائی و اگست ۱۹۹۵ء کا مشترکہ شائع کیا جا رہا ہے۔ کچھ حالات ایسے در پیش آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان ناتواں کچھ کر پانے کی سعی میں بھی ناکام رہتا ہے۔ ہماری مجبوری پیش نظر رکھتے ہوئے امید کہ قارئین کرام اسے نظر انداز کریں گے۔ اور برہان کے ساتھ تعاون کا سلسلہ جاری کریں گے۔

شکریہ: مدیر برہان دہلی

بقیہ: اداریہ

سے ملک محفوظ ہوتا۔

۱۵ اگست کے دن جشن آزادی مناتے وقت ہمیں اس طرف اپنی توجہ ضرور مبذول کرنی چاہیے تب ہی ہم جشن آزادی کی حقیقی مسرت کو پا سکیں گے۔

آخری قسط

عہدِ مغلیہ یورپی سیاحوں کی نظر میں

پروفیسر محمد عمر، شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

آگرہ کے مسلمانوں میں شادی کے رسوم!

منگنی: اپنی دلہن کے انتخاب میں دولہا کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور اس سے کم دلہن کو۔ ان کے والدین اور احباب رشتوں کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ سپاہی سپاہیوں میں، اور تاجر تاجروں میں رشتہ داریاں کرتے تھے۔ اگر مناسب کوئی رشتہ نہ ملتا تو وہ رشتہ کرانے والی عورتوں (مشاطاؤں) کی خدمت حاصل کی جاتی تھیں! اور ان سے دولہن کی تلاش میں مدد کرنے کے لئے کہا جاتا۔ وہ بہت سی لڑکیوں کی تجاویز کرتیں نسب حسب، حیثیت وغیرہ کے بارے میں ان کی تجاویز کی بڑی احتیاط سے تحقیقات کی جاتی۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی لڑکی کا انتخاب کیا جاتا۔ اس کے بعد وہ اپنے جوان بیٹے کو ساتھ لیکر دلہن (لڑکی) کے والدین کے گھر جاتے اور ان سے اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگتے یعنی رشتے کی درخواست کرتے۔ اجنبیت رشتہ قائم کرنے میں حائل نہ ہوتی تھی۔ رشتے کے منظوری یا نامنظوری کے بارے میں فیصلہ کن بات کے طے ہونے میں کچھ دن لگ جاتے تھے جب رشتہ ہونا طے پا جاتا تو لڑکا اپنی ہونے والی دلہن کے لئے ایک انگوٹھی بھیجتا اور اس کے جواب میں دلہن (لڑکی) پان اور ایک رومال بھیجتی۔

رسوم شادی!

عقد ہونے کے دن سے بہت پہلے ہی ان کے ہاں رنگ رلیاں، قہقہے چہچہے گیت گائے جانے شروع ہو جاتے تھے۔ ضیافتوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ منگنی کے ۱۵ یا ۲۰ دن کے بعد

…ضروت ہونے لوازمات ہوتا تھا۔ عقد ہونے سے تین یا چار دن پہلے دولہا اور اس کے والدین دلہن کے گھر جاتے تھے۔ اپنے ساتھ وہ لوگ سینیوں میں بہت سی مٹھائیاں، بادام، شکر، اخروٹ منقّٰی اور دوسرے پھل لے جاتے تھے۔ اپنی حیثیت کے مطابق وہ روپے بھی لے جاتے تھے یہ تمام دلہن کی شادی کے اخراجات کے لئے دی جاتی تھی جو عموماً دولہا برداشت کرتا تھا۔ وہ کچھ جواہرات بھی بھیجتے تھے (یہ ساچق کی رسم کہلاتی ہے)

رقص و سرود، باجے گاجے کے ساتھ لوگ دلہن کے گھر آتے وہ لوگ وہاں شام تک قیام کرتے اور رات کو واپس لوٹتے۔ دوسرے دن شام کو سوتی اور ساٹن کے کپڑے، کاغذ کی کشتیاں

بقیہ . عالمی شاعر

صفحہ ۹۹، ۱۰۰ نیز ۱۰۱ پر مولانا حالی کے مسدس کا ذکر آیا ہے جسے صیغۂ تانیث میں لکھا ہے یعنی "تسلیم نے حالی کی مسدس ۔۔۔" (ص ۹۹) "حالی کی مسدس کا بند ہے" (ص ۱۰۰) اور "حالی کی مسدس کے تمام بندوں میں" (ص ۱۰۱) جبکہ لفظ "مسدس" بالاتفاق مذکر ہے۔

ڈاکٹر رفعت اختر نے راجستھان کے اہل قلم کی خدمات کو ظاہر کرنے میں بھی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے جیسا کہ جناب مخمور سعیدی صاحب نے فرمایا ہے کہ: "اس ضخیم کتاب کا بنیادی مقصد راجستھان سے تعلق رکھنے والے ناقدین کی تحریروں میں ان (تنقیدی) میلانات و رجحانات کی نشاندہی ہے اور رفعت اختر نے زیادہ توجہ اسی پہلو پر صرف کی ہے جو اپنے صوبے کے اہل قلم سے ان کے خصوصی شغف کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ شغف اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ راجستھان کے اہل قلم کی ادبی خدمات کا ذکر بہت کم ہوا ہے اور ان کی طرف سے بالعموم بے اعتنائی برتی گئی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان خدمات کے ذکر میں غلو سے کام لیا جائے یا جو چیزیں وہاں موجود نہیں ہیں انھیں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ رفعت اختر اپنی دھن میں کہیں کہیں اس بے احتیاطی کے مرتکب ہوئے ہیں جس سے ان کے استدلال کی معروضیت کو ضعف پہنچا ہے۔"

(ماہنامہ ایوان اردو، دہلی میں اہم یابت ماہ مارچ ۱۹۹۵ء)

کتاب کے آخر میں اشاریہ (اشخاص) کا عدم وجود بھی کھٹکتا ہے۔ جو عالمی شہرت (؟) کی تصنیف میں ضرور ہونا چاہیے تھا۔

— ختم شد —

جو رنگ برنگ پھولوں سے سجی ہوتی تھیں۔ یہ لوگ دلہن کے احباب دولہا کے گھر آتے جو ان کا
کر گئے اور اس وقت تک دکھا بیٹھتے کہ وہ گھر کر ڈھٹ جاتے۔ عورتیں دولہا کے
چہروں اور ہاتھوں میں مہندی لگاتیں۔ اس رسم کو چوتھی کی رسم کہتے تھے۔ دولہا کے ساتھ مہمان
کھانا کھاتے اور رات کو اپنے گھر واپس چلے آتے۔

برات !

اس کے دوسرے دن عقد ہوتا۔ دولہا کو سرخ لباس پہنائے جاتے۔ اس کے گلے اور سر پر اس قدر پھول لاد دیئے جاتے تھے کہ اس کا چہرہ دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ شام کے وقت دولہا کے مہمان اور احباب "حتی الامکان پیدل" پر آتش بازی چھوڑتے، نقارے اور نفیل بجاتے سرود اور رقاصاؤں کے ساتھ " دلہن کے گھر کے لئے روانہ ہوتے۔ دولہا گھوڑے پر سوار اور اس کے آس پاس براتی ہوتے تھے۔ پالکیوں اور گاڑیوں میں عورتیں اس کے جلوس چلتی تھیں جن پر عمدہ قسم کے پردے پڑے ہوتے تھے۔ دولہے کو مردوں کے کمرے میں بٹھا دیا جاتا تھا جہاں سبھی براتی اکٹھا ہوتے تھے۔ جب تک عقد نہ ہو جائے اس وقت تک دولہا سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ کسی سے بات چیت نہ کرے وہاں وہ اس طرح خاموش بیٹھا رہتا تھا جیسے کہ وہ "گونگا ہو"

رقاصاؤں کو بلایا جاتا جو حرم کے اندر اور باہر رقص کرتیں اور گاتے گاتیں۔

جب ایک تہائی رات گزر جاتی تو قاضی کا محرر اور دوسرا ایک وہاں آتا " دولہن کی عدم موجودگی میں " ان کا عقد کر دیا جاتا۔ اس موقع کی رسم صرف اتنی سی ہوتی تھی کہ " قاضی کے رجسٹر میں یہ اندراج کر دیا جاتا تھا کہ فلاں شخص نے فلاں خاتون کو اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول کیا " نکاح ہونے کے بعد کھانا کھلایا جاتا۔ رات بھر رقص و سرود جاری رہتا۔

صبح کو دلہن کا ساز و سامان باندھ دیا جاتا اور اپنی دلہن کو ساتھ لے کر دولہا اپنے گھر واپس آتا دلہن پالکی میں جاتی اور اس کے جلوس میں طرفین کی خواتین اور اس کی سہیلیاں ہوتیں۔ دولہا جب گھوڑے سے اترتا تو گھر سجا ہوا ہوتا۔ اس کی بیوی کو اس کے قریب لایا جاتا۔ اس موقع پر وہ پہلی بار اسے دیکھتا۔ آرسی مصحف کی رسم فوراً ادا کی جاتی جبکہ زرادوزی پر بیٹھے ہوئے عورتیں گاتی رہتیں۔ جماعت کے ...

سلامتی اور سچوئی تحقیق کر لیتیں۔ اگر مباشرت کا کام نہ ہوتا تو دولہا کو شرم و رسوائی کی علامت کے طور ایک جوکر کھڑا پیش کیا جاتا۔ اس کے برعکس اگر جامعت کا فرض کامیابی سے انجام پا جاتا تو وہ مبارکبادی کے گانے گاتیں۔ اس کے بعد دولہا اپنے کمرے میں چلا جاتا اور دلہن اپنے کمرے میں"۔ پلسیرٹ کا بیان ہے کہ یہ رسم خالصتاً ہندوستانی ایک رسم تھی۔ مغلوں اور ہندوؤں کی رسوم شادی میں اختلاف پایا جاتا تھا۔

(۸) ہندوؤں کے مذہبی عقائد اور توہمات

پلسیرٹ رقمطراز ہے کہ ہندو مذہب کا گہرا مطالعہ کرنے کا اس کا ارادہ تھا لیکن اس نے یہ ارادہ اس لئے ترک کر دیا کہ "تفصیلی منظوم قصوں، بہت سے دیوتاؤں، ان کی حیرت انگیز شکلوں اور ان کے غیر معمولی انواع و اقسام کے عقائد کے علاوہ اس کی کوئی بنیاد نہیں تھی"۔

مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو لوگ "مذہبی رسوم کی ادائیگی میں کہیں زیادہ پابند تھے"۔ چاہے کتنے ہی کڑاکے کی سردی ہوتی ان میں سے کوئی صبح کا نہانا نہ چھوڑے گا۔ عوام ندی پر جاکر اور دولتمند اپنے گھروں میں نہاتے تھے۔ "سال میں ایک بار گنگا ندی میں اشنان کرنے وہ لوگ ضرور جاتے، جب واپس آتے تو اپنے ساتھ تھوڑا سا گنگا جل ضرور لاتے اور یہ سوچ کر اپنے گھروں میں رکھتے کہ وہ جل انھیں "جادو و سحر سے محفوظ رکھے گا"۔

جب تک وہ نہانہ لیتے ان کی کوئی حیثیت نہ ہوتی۔" اچھی طرح کھینچے ایک دائرہ کے اندر وہ کھانا کھانے کے لئے ننگے سر اور ننگے پیٹھ بیٹھ جاتے جس کے اندر کوئی اس وقت تک داخل نہ ہوتا جب تک وہ کھانا نہ کھا لیتے۔ اگر کوئی خلل انداز ہوتا تو وہ کھانا کھانا چھوڑ دیتے۔

بچپن کی شادی:

ان کے ہاں بچپن کی شادی کا عام رواج تھا: "صرف ۴ یا ۵ سال کی عمر میں وہ اپنے

بچوں کی شادی کر دیتے تھے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو اس کی بیوی دوسری شادی نہ کر سکتی۔ ایسے ایک کنواری لڑکی کی طرح زندگی گزارنی پڑتی تھی اور بعض نے مذہبی اعتبار کر لیتیں۔ بوڑھا اور باپ شادی کر سکتا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ بوڑھے لوگوں کو اپنے بچوں کی شادیاں بچپن میں ہی کرنی پڑتی تھی کیونکہ کوئی کنواری جوان لڑکی نہیں ملتی تھی۔

ستی پرتھا:

راجپوتوں، کھتریوں اور بنیوں میں ستی کی پرتھا پائی جاتی تھی۔ آگرہ میں ایسے دو عین واقعات وقوع پذیر ہوئے تھے۔ پلسرٹ نے ستی ہونے کے منظر کو بہت دلکش انداز سے تعبیر کیا ہے۔ ایک عورت اس گھر کے قریب رہتی تھی جو ستی ہوئی تھی۔ پلسرٹ نے اس منظر کا بیان بڑی احتیاط سے کیا ہے۔

" اپنے شوہر کے مرنے پر اس نے ہر شخص کو مطلع کر دیا کہ وہ ستی ہوگی اس نے غسل کیا، زیورات اور عمدہ لباس پہنے، "جیسے کہ وہ شادی کے لئے تیار ہو رہی ہو" رقص و سرود کے جلوس کے ساتھ وہ گورنر کے پاس اجازت لینے گئی اور یہ دلالت کرتے ہوئے کہ وہ ابھی جوان تھی اس کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی اور جب تک وہ زندہ رہے گی سالانہ وہ اسے پانچسو روپے دیتا رہے گا۔ اس نے اُسے ستی ہونے سے باز رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ لیکن اس پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ گورنر کی اسے ستی سے روکنے کی کوشش کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ اس کے ستی ہونے کا مقصد یہ نہ تھا کہ اُسے افلاس کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ اس عمل کا محرک وہ جذبۂ محبت تھا جو اسے اپنے شوہر سے تھی۔ وہ اس کام سے کسی حالت میں باز نہ آئے گی چاہے ساری دنیا کی دولت اُسے باز رکھنے کے لئے اس کے سامنے رکھ دی جائے۔

شہر کے باہر وہ اس مقام پر جہاں اس کام کے لئے ایک جھونپڑی تیار کی گئی تھی، اس تیز رفتاری سے گئی کہ ایسا نہ ہو اسے پہونچنے میں تاخیر ہو جائے وہ جھونپڑی لکڑیوں سے بنائی گئی تھی اور اس کی چھت چھپر کی تھی۔ اسے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ لہنگے کے علاوہ اس نے اپنے تمام کپڑے اور زیورات تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد اس نے ایک مٹھی چاول لئے اور تماشہ بینوں

میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد وہ اپنے احباب سے بغلگیر ہوئی اور ان سے رخصت لی۔ اس نے اپنے یکسالہ بچے کو اپنی گود میں لیا، اُسے گلے سے لگایا اور اس کے بعد اُسے اپنے قریب ترین عزیزوں کے حوالے کر دیا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ دوڑ کر جھونپڑی کے اندر چلی گئی اور اپنے شوہر سے بغلگیر ہو گئی۔ دروازے کے سامنے لکڑیاں جمع کر دی گئیں اور چتا میں آگ لگا دی گئی۔ جب چتا جل کر خاکستر ہو گئی تو اس میں سے ایک نے ایک ہڈی اور تھوڑی سی راکھ اٹھالی۔

پلیسرٹ نے لکھا ہے کہ "یہ کارنامہ کسی جور و جبر سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف محبت کی وجہ سے۔ اس کے ساتھ ساتھ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسے تھے جو ایسا نہیں کرتے تھے اور اس کے نہ کرنے میں کوئی ایسی شرم کی بات نہ سمجھی جاتی تھی جیسا کہ بہت سے لوگ دعویٰ کرتے تھے اور یہ لکھتے تھے کہ جو لوگ اس عمل کو نظر انداز کرتے تھے انہیں اپنی ذات برادری کی لعنت ملامت کا ہدف بننا پڑتا تھا۔

(۹) متفرقات

نیل کی پیداوار: موسم برسات کی پہلی بارش کے بعد جون میں نیل بوئی جاتی تھی۔ ایک بیگھے میں نیل کے ۱۴ یا ۱۵ پونڈ بیج بوئے جاتے تھے۔ اگر بارش معتدل ہوتی تو فصل اچھی ہوتی اور چار مہینوں میں پودے ۴۵ انچ اونچے ہو جاتے۔ اگر موسم سرما ذرا پہلے شروع ہو گیا اور اسے کاٹا نہ گیا تو نیل بنانے کے دوران اس کا رنگ اڑ جاتا اور اس کا رنگ بنا چمک دمک کے بھورا ہو جاتا۔ اگر پہلی فصل میں اس میں گاس کثرت سے ہوتی تو دوسری اچھی فصل ہونے کی یہ اچھی علامت ہوتی تھی۔

اس کے تنے گول ہوتے تھے۔ نیل تین قسموں کی ہوتی تھی۔ نوتی، زیرائی اور کٹیل نیل کی پہلی فصل کو نوتی کہتے تھے۔ یہ رنگ میں بھوری اور معمولی قسم کی ہوتی تھی۔ دیکھ کر یا چھو کر اسے بڑی آسانی سے معلوم کیا جا سکتا تھا۔ موسم سرما (اکتوبر) کے شروع ہونے سے پہلے ہی اس فصل کو کاٹ لیا جاتا تھا۔ نوتی فصل کے بونے کے بعد اگر بہت کم بارش ہوتی تو بیج زمین میں خشک ہو جاتے تھے۔ مزید برآں، بہت زیادہ بارش اور سورج کی تپش ان بیجوں کو بہالے جاتی تھی۔

یا ان کے سڑ جانے کا باعث ہوتی تھی۔ اون اور "دوسری بھاری چیزوں" کے رنگنے کے لئے یہ مفید ثابت ہوتی تھی۔ اگر جون میں بارش نہ ہوتی تو اس کی جڑیں سوکھ جاتی تھیں۔

نوتی کی طرح زیرائی بھی اُسی تنے سے اُگتی تھی۔ آخر الذکر کا تنہ زمین سے ایک ہاتھ اونچا ہوتا تھا اور نوتی کے کٹے ہوئے تنوں سے زیرائی پیدا کی جاتی تھی۔ نوتی کی فصل اکتوبر میں کاٹی جاتی تھی لیکن آئندہ آنے والے اگست تک وہ پودا دوبارہ اُگ آتا تھا۔ جب یہ ایک انچ اونچا ہو جاتا تھا تو اسے نوتی فصل کی طرح کاٹ لیا جاتا تھا۔ اگر بارش "موافق" ہوتی تو زیرائی فصل سے تین اور فصلیں ہو جاتی تھیں۔ اگست میں، ستمبر کے شروع میں اور "جب نوتی فصل کاٹ لی جاتی تھی"۔ نوتی فصل کے بعد دسمبر، جنوری یا فروری کی سخت سردی فصل کو خراب کر دیتی تھی۔

زیرائی فصل کی آخری فصل کو کٹیل کہتے تھے۔ یہ "بے حد خراب، سخت، بلا چمک دمک یا رنگ میں بھدی ہوتی تھی۔ جس کا رنگ تقریباً کوئلے کی طرح ہوتا تھا۔ بعض مرتبہ اسے نہیں کاٹتے تھے کیونکہ زیرائی کے مقابلے میں اس کی قیمت آدھی ہوتی تھی۔ آئندہ سال ہونے والی نوتی فصل کے لئے بیج پیدا کرنے کے لئے اسے زمین میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔

نوتی کے مقابلے میں زیرائی کی قسم بہتر ہوتی تھی۔ اس سے بنفشی رنگ کا عرق نکلتا تھا اور اس کے اندرونی حصے کو بنا دیکھے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ کیونکہ ہاتھ میں نوتی کے مقابلے میں یہ ہلکا معلوم ہوتا تھا۔ نیل کے خریدار کٹیل کے قسم کی نیل کو آدھی قیمت پر خریدتے تھے۔ اور لکڑی سے کوٹ کوٹ کر اسے باریک کر لیا جاتا تھا۔ گانٹھوں میں اسے زیرائی اور نوتی کے ساتھ ملا دیا جاتا تھا۔

نیل کے تیار کرنے کا یہ طریقہ تھا۔ (۱) فصل کاٹنے کے وقت پودوں کو زمین سے ایک ہاتھ کی اونچائی سے کاٹ لیا جاتا تھا اور آئندہ سال زیرائی ان تنوں سے اُگا لی جاتی تھی۔ عام طور پر ایک بیگھے کی پیداوار کو ایک گڑھے میں ڈال دیا جاتا تھا اور بھیگنے کے لئے وہاں ۱۶ یا ۱۷ گھنٹے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس گڑھے کا گھیر تقریباً ۳۸ فٹ ہوتا تھا اور گہرائی تقریباً معمولی قد کے ایک آدمی کے برابر ہوتی تھی۔ وہ گڑھا نچلی ایک سطح پر بنایا